ایک حدیث

ظلم دُور کرنے کے طریقے

حضرت مخارق سے سنن نسائی میں ایک روایت یوں ہے:

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال:- الرجل یاتینی فیاخذ مالی قال: ذکر اللہ- قال: فان لم یذکر؟ قال: فاستعن علیہ من حولک من المسلمین- قال: فان لم یکن حولی احد من المسلمین؟ قال: فاستعن علیہ بالسلطان قال: فان نأیٔ السلطان عنی؟ قال: قاتل دون مالک حتی تکون من شہداء الاخرۃ او تمنع مالک (ریاض السنہ ص ۲۳۲)

آں حضرتؐ کے پاس ایک شخص نے آکر پوچھا کہ: میرے پاس ایک آدمی آکر میرا مال چھیننا چاہتا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا: اسے خدا کا خوف دلاؤ- عرض کیا: اگر اس میں خدا ترسی نہ پیدا ہو؟ فرمایا: اپنے آس پاس کے مسلمانوں سے اس کے خلاف مدد لو- پوچھا: اگر میرے آس پاس کوئی مسلمان نہ بستا ہو؟ فرمایا: پھر اس کے خلاف حکومت (عدالت) سے چارہ جوئی کرو- کہا: اگر عدالت مجھ سے بہت دور ہو؟ فرمایا پھر اپنے مال کی حفاظت میں اس سے قتال کرو تا آنکہ اپنے مال کو بچالو یا مر کر شہدا میں داخل ہو جاؤ۔

مال یا کسی اور حق کو چھیننے والے کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض ظالم ایسے ہوتے ہیں جن کو ظلم سے روکنے کے لیے اتنی لمبی کارروائی کا موقع نہیں ہوتا کہ پہلے وعظ و نصیحت سے کام لیا جائے- پھر پڑوسی مسلمانوں سے مدد لی جائے- پھر عدالتی کارروائی کی جائے اور جب ان تدابیر میں سے کوئی تدبیر کام نہ آسکے تو دست بدست مقابلہ کیا جائے- اگر ایک لٹیرا گھر میں آگھسے تو اتنی لمبی کارروائی کی مہلت کب مل سکتی ہے؟ غالب قرینہ ہے کہ یہ ارشاد نبویؐ ایسے مواقع کے لیے ہے جہاں کوئی شخص کسی کا حق غیر فوری طور پر مارنا چاہتا ہو مثلاً قرض لے کر واپس نہ دینا چاہتا ہو- یا کسی کے قطعۂ زمین یا مکان پر قبضہ کرنا چاہتا ہو یا زبردستی کوئی رشتہ لینا چاہتا ہو یا اسی قسم کا کوئی ظلم کرنا چاہتا ہو- ایسے تمام موقعوں کے لیے آں حضرتؐ نے واقعات سے نمٹنے کے لیے وہی طریقہ بتایا ہے جو انتہائی سلامت روی کا طریقہ اور ظلم سے بچنے کے لیے مختصر سے مختصر راستہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قدر کم سے کم وقت و محنت سے

کام چل سکے اسی قدر بہتر ہے۔ ابتدائی مرحلے پر ہی آخری قدم اٹھانا تقاضائے عقل نہیں۔

یہاں پہلا زینہ یہ بتایا گیا ہے کہ اسے خدا یاد دلاؤ۔ خدا یاد دلانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے انسانی اقدار کی طرف متوجہ کرو۔ تمام اخلاقی قدروں کا مرکزی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہے تاہم بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خدا کو تو محض رسماً مانتے ہیں یا سرے سے مانتے ہی نہیں لیکن انسانی قدروں کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ کیا جائے؟ تو بات کسی حد تک ان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ خدا کی یاد دلانے کے لیے محض وعظ و نصیحت کافی نہیں۔ وعظ اسی وقت مؤثر ہوتا ہے جب واعظ اعلیٰ کردار بھی رکھتا ہو۔ محض نصیحت تو ایک مکار بھی کر سکتا ہے لیکن اس کا اثر کیا ہوگا؟ غرض یہ ہے کہ سمجھانے کا ایسا حکیمانہ انداز اختیار کرنا چاہیے جو پہلے ہی قدم پر معاملے کو ختم کر دے۔ ایسی تفہیم کے لیے مخاطب کی نفسیات کے مطابق بات کرنی چاہیے۔ کہیں پیار محبت کہیں کچھ ڈراوا۔ کہیں ہمدردی و رواداری۔ کہیں موثر نصائح۔ غرض جہاں جس چیز کا موقع ہو اسی سے کام لینا چاہیے تاکہ ابتدا ہی میں معاملہ طے ہو جائے اور اگلے زینوں پر جا کر اپنی توانائی اور وقت کو ضائع کرنے کی نوبت نہ آئے۔

اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انسان کو اپنی عقل و حکمت اور اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کرنے کی عادت پڑتی ہے اور دوسروں کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو دوسرا اگلا قدم یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے آس پاس کے مسلمان بھائیوں سے مدد لو یعنی ان پر واضح کر دو کہ مجھ پر یہ زیادتی ہو رہی ہے اور انسانی و اسلامی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ جس پر زیادتی ہو رہی ہو اس کی مدد کی جائے ورنہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کل تمہارے ساتھ بھی اسی قسم کی زیادتیاں ہوں گی اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ زور پکڑنے یا پھیلنے سے پہلے ہی فتنے کو دبا دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ شخص ایک مظلوم کمزور کے سمجھانے سے نہیں مانتا تو بہت سے لوگوں کے سمجھانے یا دھمکانے سے اس ظالم پر ضرور دباؤ پڑے گا اور وہ باز آجائے گا۔

اس کے باوجود بعض سرپھرے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسرے بہت سے لوگوں کے سمجھانے کے بعد بھی اپنی حرکت سے باز نہیں آتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ سب محلے والے مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جب صورت حال اس زینے پر پہنچ جائے تو اگلا قدم اٹھانا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ پولیس یا عدالتوں سے مدد لی جائے۔

لیکن بعض اوقات اتنا موقع نہیں ہوتا کہ حکومت تک پہنچا جاسکے کیونکہ اس وقت تک مظلوم کا وارا نیارا ہو جائے گا۔ ایک ظالم کسی کی متاعِ عزیز پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ پڑوسی اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اس کی مدد سے کتراجاتے ہیں یا وہ اس وقت موجود نہیں ہوتے اور جب تک وہ پولیس اسٹیشن تک پہنچے یہاں قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ظلم سے بچنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ جو کچھ ظالم کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے کیا جائے۔ یہ مقابلہ کوئی جارحانہ نہیں ہوتا بلکہ مدافعانہ ہوتا ہے۔ اگر برابر کی چوٹ ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ مظلوم غالب آجائے اور اس کا بھی امکان ہے کہ ظالم کامیاب ہو جائے۔ پہلی صورت میں تحفظِ متاع کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں اگر مظلوم کی جان بھی چلی جائے تو اس کا شمار شہیدوں میں ہوگا۔ شہید وہ بھی ہوتا ہے جو راہِ حق میں زندہ رہے لیکن جو راہِ حق میں مر جائے وہ اپنی آخری عملی شہادت دگواہی، پیش کرنے کی وجہ سے اعلیٰ درجے کا شہید ہوتا ہے۔ چونکہ ظالم کے ظلم کو مٹانا بہرحال سب سے بڑی نیکی ہے اس لیے اس کا آخری چارۂ کار یعنی جنگ بھی شہادت ہی ہے۔

اس پورے ارشادِ نبویؐ پر ایک نظر پھر ڈ الیے تو بہت سے نکات حل ہو جائیں گے مثلاً:

۱۔ یہ اگرچہ بظاہر ایک انفرادی حکم ہے لیکن بڑے پیمانے پر یہی حکم پھیل کر اجتماعی بن جاتا ہے اور اجتماعی ظلم کو دور کرنے کے لیے بھی انہی مدارج سے گزرنا پڑتا ہے۔ یعنی پہلے باہمی افہام و تفہیم۔ پھر پڑوسی اسلامی ملکوں یا قوموں سے استعانت۔ پھر بین الاقوامی چارہ جوئی۔ پھر آخری چارۂ کار یعنی جنگ۔

۲۔ ان میں سے ہر ایک اقدام کے لیے ویسی ہی استعداد پیدا کرنی چاہیے۔ پہلے مرحلے کے لیے کردار کی پختگی، قولِ بلیغ یعنی موثر گفتگو، عقل و حکمت کا انداز وغیرہ۔ دوسرے مرحلے پر اپنے پڑوسی بھائیوں کو اعانت پر آمادہ کرنے کے لیے بھی یہی صفات زیادہ بڑے پیمانے پر درکار ہیں۔ تیسرے مرحلے میں اور زیادہ بڑے پیمانے پر یہی اوصاف مطلوب ہیں اور آخری مرحلے کے لیے تو بڑی کامیاب تیاری اور نتیجہ خیز اقدام کی ضرورت ہے۔ محض قتل ہو کر شہیدوں میں داخل ہو جانا کوئی مقصد نہیں۔ اصل مقصد ہے ظلم کو دور کرنا، اور اپنے مقابلے کو زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز بنانا۔

۳۔ ان مذکورہ مدارج کے درمیان موقعے کی مناسبت سے کچھ اور مدارج بھی نکل سکتے ہیں اور ان کو زیرِ عمل لانا بھی مستحسن بات ہوگی۔ مثلاً سنن ابوداؤد میں سیدنا ابوہریرہ سے ایک روایت یوں ہے:

آں حضرتؐ کے پاس ایک شخص آکر اپنے پڑوسی کی شکایت کرنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا: جاؤ اور صبر سے کام لو۔ وہ دو یا تین بار پھر حضورؐ کے پاس آیا۔ حضورؐ نے فرمایا: واپس

جاکر اپنا تمام مال و اسباب سڑک پر ڈال دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب جو لوگ ادھر سے گزرتے وہ اس سے اس اقدام کا سبب پوچھتے اور وہ پورا قصہ بیان کر دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا لوگ اس (پڑوسی) کو کوسنے اور بد دعائیں دینے لگے کہ خدا اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے۔ آخر وہ پڑوسی اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ: خدا کے لیے تم واپس چلو۔ مجھ سے اب تمہیں کوئی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

یہ بھی ایک بڑی بلیغ تدبیر تھی جو حضورؐ نے بتائی۔ اسی طرح کی اور باتیں بھی ہیں جو عمل میں لائی جاسکتی ہیں

۴۔ اس ارشادِ نبوی میں ایک بڑا سبق یہ ہے کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پہلی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وقت اور توانائی کم سے کم خرچ ہو۔

۵۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ صبر و تحمل کا دامن کسی وقت بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ بے صبری اور جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے ہی مرحلے پر آخری قدم اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ کبھی خوشگوار نہیں ہوتا۔ آپ روزانہ اخباروں میں یہ خبریں پڑھتے ہیں کہ ایک آنے پر جھگڑا ہو گیا اور مار پیٹ بلکہ قتل کی نوبت آگئی۔ ذرا سی خفگی ہوئی اور بیوی کی ناک کاٹ لی۔ غصہ آیا اور سگے بھائی پر گولی چلا دی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہوتا ہے بے صبری اور جلد بازی کا۔ ایسے لوگ بے قابو ہو کر جو دل چاہتا ہے کر گزرتے ہیں اور انجام کو ذرا نہیں سوچتے۔

۶۔ ایک بڑا سبق اس حدیث نبوی میں یہ ہے کہ طاقت سے حتی الامکان کام نہیں لینا چاہیے۔ طاقت اس لیے نہیں حاصل کی جاتی کہ اس سے ضرور ہر موقعے پر کام لیا جائے بلکہ اس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ایسی ہیبت اور رعب قائم رکھا جائے کہ اس کے ڈر سے لوگ غلط اقدام سے احتراز کرتے رہیں (ترھبون بہ عدو اللہ وعدو کم)۔ جنگ کوئی مقصد نہیں بلکہ فتنہ کو دور کرنے کا ایک آخری اور مجبورانہ چارۂ کار ہے۔ دباؤ سے برائی عارضی طور پر رک سکتی ہے۔ یہ مستقل علاج نہیں۔ مستقل علاج یہ ہے کہ بدکرداروں کے ذہن کو بدل دیا جائے اور یہ تبلیغ و تفہیم ہی سے ہو سکتا ہے۔ دباؤ سے تو بعض اوقات اور ضد پیدا ہوتی ہے۔ برائی اس وقت چھوٹتی ہے جب عقلی طور پر اس کا برا ہونا سمجھ میں آجائے۔

۷۔ ایک بہت بڑا سبق اس ارشادِ نبویؐ میں یہ ہے کہ حتی الامکان حکومت یا عدالت یا پولیس کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنی عقل و حکمت سے فتنے کو دور کرے

یا زیادہ سے زیادہ پڑوسیوں کے مشورہ و تعاون سے اسے دور کرے ۔ گویا ایک طرح پر یہاں پنچایت سسٹم کی ترغیب دی گئی ہے ۔ اور فی الواقع معاشرہ جتنا اچھا ہوگا اسی قدر اس میں حکومت سے کم مدد لی جائے گی ۔ اعلیٰ سوسائٹیوں کے افراد اپنے جھگڑے آپس ہی میں خوش اسلوبی سے طے کر لیتے ہیں بالائی طاقتوں سے مدد لینے کا جذبہ انہی لوگوں میں ہوتا ہے جو خود اپنے اوپر اعتماد نہیں رکھتے ۔ بلکہ احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں ۔ اور ہر بات میں دوسروں کا سہارا ڈھونڈھتے رہتے ہیں ۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ وہ خود کر سکتے ہیں وہ بھی نہیں کرتے بلکہ ہر معاملے میں یہ امید لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ ہم خود کچھ نہ کریں اور حکومت سب کچھ کر دے ۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں امریکہ کی مثال دیدی جائے ۔ امریکہ کے لوگ کسی بات میں بھی حکومت سے آس نہیں لگاتے ۔ وہاں کی تعلیم گاہیں ، اسکول ، کالج ، یونیورسٹی ، شفاخانے ، محتاج خانے ، کارخانے حتیٰ کہ ریڈیو اسٹیشن وغیرہ سب پبلک کے ہوتے ہیں ۔ اگر کوئی مفید عام ادارہ حکومت کھولنا چاہے تو عوام اسے بالکل گوارا نہیں کرتے ۔ وہ سب کچھ خود ہی کرتے ہیں ۔ حکومت کی صرف ایک پالیسی چلتی ہے باقی رفاہِ عام کے سارے کام خود عوام کرتے ہیں اور وہ حکومت سے آس لگا کر نہیں بیٹھتے ۔ بخلاف اس کے گھٹیا معاشرے کے افراد اپنے دروازے پر بول و براز کر کے بھی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ حکومت ہی اسے اٹھا کر پھینک دے ۔ یہ بڑی ہی پست قسم کی ذہنیت ہے ۔ دوسروں کا سہارا لینے کی عادت قوم کو برباد کر دیتی ہے اور اس کی اپنی قوتِ عمل اس سے سلب ہو جاتی ہے ۔ پھر یہ عادت مصنوعی روحانیت و مذہبیت اختیار کرتی ہے تو اس کو توکل کا حسین لقب مل جاتا ہے ۔

اس حدیث میں یہ تعلیم ہے کہ حتی الامکان برائیوں کو خود دور کرو ۔ تنہا نہیں کر سکتے تو اڑوس پڑوس کے تعاون سے دور کرو ۔ دوسروں سے آس لگا کر نہ بیٹھو ۔ مدد وہاں لو جہاں اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور برائی اس کے بغیر دور نہ ہو سکتی ہو ۔

ذرا قرآن پاک کے اس حکم پر غور فرمایئے کہ :

والّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن .... وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا	جن بیویوں سے تمہیں نشوز کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں خواب گاہوں میں چھوڑ دو اور ضرب لگاؤ ..... اور اگر دونوں کی جدائی کا خطرہ ہو تو دونوں کے خاندان سے ایک ایک ثالث بنے تو ......

دیکھیے یہاں بھی یہی تعلیم ہے کہ میاں بیوی عدالت میں جاکر اپنے باہمی اختلاف کی وجہ سے رسوا نہ ہوں۔ گھر کے اندر ہی فیصلہ کر لیں۔ اس سے آگے جاتا ہو تو پنچایتی اصول پر دونوں طرف کے ثالث مل کر صلح کرا دیں۔ اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر آگے تفریق بذریعۂ عدالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قضیے کو بے ضرورت طول نہ دو۔ اور جو کام نجی طور پر ہو سکتا ہو اسے خواہ مخواہ حکومت کی مدد سے طے نہ کراؤ بلکہ آپس ہی میں طے کر لو۔

زیر بحث ارشادِ نبوی میں بھی یہی تعلیم ہے اور روحِ قرآنی کے عین مطابق ہے۔

(محمد جعفر)

سرگزشتِ غزالی

مترجمہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی "المنقذ" کا اردو ترجمہ جس میں انہوں نے اپنے فکری و نظری انقلاب کی دلچسپ داستان بیان کی ہے اور بتلایا ہے کہ کس طرح انہوں نے جبہ و عبا اور مسند و دستار کی زندگی چھوڑ کر گلیم و فقر کی روش اختیار کی اور تصوف کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

قیمت ۳ روپے

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہد قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کی تھی اور یہاں کے مفکروں نے جو افکار و نظریات پیش کیے انہی کی بنیاد پر جدید افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ اور اس کتاب میں کون فیوشس، گوتم بدھ، زرتشت، مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں کے اخلاقی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور